خانوادۂ فرنگی محل کی علمی خدمات اور فکری اعتدال ☆

خالد سیف اللہ رحمانی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين ، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

صدر عالی قدر، علماء کرام اور دانش ورانِ ذی احترام! نہایت مسرت کا موقع ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اہم پروگرام لکھنؤ جیسے گلستانِ علم وادب اور نگارستانِ تہذیب وثقافت میں منعقد ہو رہا ہے، لکھنؤ ہمیشہ سے علم وادب کا سرچشمہ رہا ہے، یہاں کے اصحابِ ذوق کے ذریعہ علم کی محفلیں سجتی اور شعر وسخن کی بزم میں آراستہ ہوتی رہی ہیں، سخن ورانِ لکھنؤ کی دھوم پورے ہندوستان میں رہی ہے؛ حالاں کہ اب لکھنؤ وہ لکھنؤ نہیں رہا اور حسین ولطیف اُردو زبان میں اُردو کے تلفظ کو بے لطف کر دینے والی ہندی کی آمیزش ہوگئی ہے؛ لیکن پھر بھی دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسی عظیم درسگاہ اور اپنی مردم خیزی کی وجہ سے یہ شہر عالمی سطح پر شہرت وناموری کا حامل ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ علمی خدمات اور قائدانہ صلاحیت کے لحاظ سے اتر پردیش ہندوستان کا دل ہے اور لکھنؤ اتر پردیش کا۔

اس شہر کو ماضی میں جن دبستان ہائے علم سے شہرت حاصل رہی ہے، ان میں ایک نمایاں ترین نام 'فرنگی محل' کا ہے، جس میں بڑے بڑے علماء وفقہاء اور مصنفین واہل قلم پیدا ہوتے رہے ہیں، کہنے کو یہ ایک خاندان ہے؛ لیکن اس کی علمی خدمات بڑے بڑے اداروں اور اکیڈمیوں کے ہم پلہ ہیں، خانوادۂ فرنگی محل میزبانِ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے نسبی تعلق رکھتا ہے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے آفتاب نبوت کی میزبانی کی تھی اور اس خاندان نے علوم نبوت کی میزبانی کی ہے؛ چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی عام روایت اُصول فقہ اور جدید مسائل پر سیمینار کی رہی ہے نہ کہ شخصیتوں اور اداروں کی خدمات پر؛ لیکن فرنگی محل کی غیر معمولی علمی اور خاص کر فقہی خدمات کی وجہ سے اس عنوان کا انتخاب کیا گیا، جو اکیڈمی کی طرف سے اس نوعیت کا پہلا پروگرام ہے۔

حضرات ! لکھنؤ کے فرنگی محل کی تاریخ اصل میں بارہ بنکی کے گم نام قصبہ ''سہالی'' سے شروع ہوتی ہے،

☆ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے زیر اہتمام ''علماء فرنگی محل — حیات وخدمات'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں دیا جانے والا کلیدی خطبہ۔

جہاں اپنے عہد کے بڑے عالم اور منقولات ومعقولات کے ماہر استاذ ملا قطب الدین درس دیتے ہوئے ۱۹؍رجب ۱۱۰۳ھ مطابق ۲۷؍مارچ ۱۶۹۲ء کو شہید کر دیئے گئے، یہ حادثہ ایسا جان کاہ تھا کہ ملا صاحب کے بعض لڑکوں نے اورنگ زیب عالمگیرؒ کے پاس استغاثہ کیا کہ ان کا خاندان یہاں سے ہجرت کرنا چاہتا ہے اور انصاف پرور بادشاہ نے لکھنؤ میں فرانسیسی تاجر کی وہ کوٹھی عنایت کر دی، جو فرنگی محل کہلاتی تھی، کسے معلوم تھا کہ فرنگیوں کا یہ محل علوم اسلامی کی اشاعت کا محل بن جائے گا اور دور دور سے تشنگانِ علوم یہاں آ کر سیراب ہوا کریں گے؛ چنانچہ ملا قطب الدین کے صاحبزادے ملا نظام الدین نے یہاں اپنے والد کی درسگاہ کی نشاۃ ثانیہ کی اور تعلیمی سلسلہ شروع کیا، اسے ایسی پذیرائی حاصل ہوئی ہے کہ نہ صرف ان کا مقرر کیا ہوا نصاب ''درس نظامی'' کہلایا؛ بلکہ اس کے باوجود کہ اب یہ نصاب غیر معمولی تبدیلی کے ساتھ مختلف درسگاہوں میں پڑھایا جاتا ہے اور ملا نظام کے مقرر کئے ہوئے نصاب کی چند کتابیں ہی اس میں باقی رہ گئی ہیں، پھر بھی اسے ''درس نظامی'' ہی کہا جاتا ہے۔

فرنگی محل کا خانوادہ جلیل القدر علماء کی کثرت اور علمی خدمات کے تسلسل کے اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں ایک انفرادی شان کا حامل ہے اور اس خاندان کے علماء کی تصانیف کا اگر جامع تذکرہ مرتب کیا جائے تو یقیناً کم سے کم ایک ضخیم جلد کی ضرورت ہوگی، ان علماء میں بحر العلوم ملا عبد العلیؒ (م:۱۸۱۰ء) ملا محمد مبینؒ (م:۱۸۱۰ء) ملا حسنؒ، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلیؒ (م:۱۸۶۸ء) مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ (م:۱۸۸۶ء) اور مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ (م:۱۹۲۶ء) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، بحر العلوم نے اُصول فقہ میں ''ارکانِ اربعہ، حاشیہ زاہدیہ'' تالیف فرمائی، ''منار'' کی فارسی شرح ''تنویر الابصار'' کے نام سے تالیف کی، ''شرح صدر شیرازیؒ'' پر حاشیہ لکھا، ''مثنوی مولانا رومؒ'' کی شرح فرمائی، ''فقہ اکبر'' کی شرح کی اور متعدد تصنیفات ان کی یادگار ہیں؛ لیکن جس کتاب نے ان کو شہرت دوام عطا فرمائی، وہ ہے ''مسلم الثبوت'' کی مبسوط شرح ''فواتح الرحموت'' جس کا شمار اب اُصولِ فقہ حنفی کے اہم مراجع میں ہوتا ہے اور جسے عالم عرب میں بھی غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

ملا محمد مبین فرنگی محلیؒ نے بھی ''سلم'' اور ''مسلم الثبوت'' کی شرح لکھی اور ''میر زاہد ملا جلال'' پر حاشیہ لکھا، فقہ میں ان کا ایک اہم رسالہ ''کنز الحسنات فی ایتاء الزکوٰۃ'' ہے، جس میں مقدار نصاب پر بڑی اچھی گفتگو کی گئی ہے، یہ اپنے زمانہ کے امام المعقولات سمجھے جاتے تھے، مولانا عبد الحلیم فرنگی محلیؒ —— جو مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ کے والد ہیں —— بھی بڑے علماء میں تھے، مولانا عبد الحی صاحبؒ نے اپنے رسالہ ''حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم'' میں ان کے حالات لکھتے ہوئے ان کی ستائیس تالیفات کا ذکر کیا ہے، جن میں ''نور الانوار'' کے حاشیہ ''قمر الاقمار'' کو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے۔

اس خاندان کی اخیر دور کی شخصیات میں ایک اہم نام مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ (م:۱۹۲۶ء) کا ہے، ''تذکرۂ

علماء فرنگی محل'' کے مصنف نے ان کی ایک سو دس تصنیفات کا ذکر کیا ہے، جن میں بہت سی تالیفات فقہ اور اُصولِ فقہ سے متعلق ہیں، آپ نے بھی ''مسلم الثبوت'' کی ایک شرح ''ملہم الملوک'' کے نام سے تالیف فرمائی ہے، آپ نے تصنیف وتالیف کے علاوہ قومی وملی جدوجہد میں بھی حصہ لیا ہے اور تحریک خلافت میں بھی شامل رہے ہیں۔

اس خاندان کے گلِ سرسبد اور شجر سدا بہار شخصیت کا ذکر میں اخیر میں کررہا ہوں اور ان کے اس تذکرہ کو مسک ختام تصور کرتا ہوں، میری مراد محدثِ جلیل اور فقیہ بے مثیل حضرت مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ (م:۱۸۸۶ء) سے ہے، جو اسلامی اور عربی علوم میں نابغۂ روزگار اور درآبدار کی حیثیت رکھتے تھے، آپ کی تقریباً سو تالیفات ہیں اور ہر کتاب گویا اپنے موضوع پر حرفِ آخر ہے، اُصولِ حدیث میں ''الرفع والتکمیل'' اور ''الاجوبۃ الفاضلۃ'' ایسی تالیفات ہیں کہ اُصولِ حدیث کے پورے کتب خانہ میں شاید ہی ان کی مثال مل سکے، یہ اسلاف کے افکار وشخصیات کا عطر ہے اور اخلاف کے لئے خضرِ طریق ہے، اسی طرح فقہ میں ''شرح وقایہ'' کی شرح ''السعایہ'' اگرچہ نامکمل ہے؛ لیکن حدیث وفقہ کے استیعاب کے اعتبار سے ایک بے نظیر کتاب ہے، اگر یہ کتاب مکمل ہوجاتی تو فقہی متون کی شرح میں یقیناً لاجواب تالیف ہوتی، اسی طرح ''شرح وقایہ'' کا حاشیہ ''عمدۃ الرعایۃ'' اختصار کے ساتھ جامعیت اور حل مشکلات کے لئے نمونہ کا درجہ رکھتی ہے، صرف ۳۹ سال کی حیات مستعار پانے کے باوجود آپ نے جو عظیم علمی خدمات انجام دی ہیں اور جو تالیفی ورثہ چھوڑا ہے، وہ علماء متقدمین کی یاد دلاتا ہے، مولانا کی تالیفات تو بجائے خود گراں قدر ہیں ہی، ان کے عاشق نادیدہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ کی تعلیقات مولانا لکھنوی کی تحریروں کو نہ صرف متعارف کرانے میں ممد ومعاون رہی ہیں؛ بلکہ ان کے ذریعہ ان کتابوں کی قدر وقیمت میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

حضرات ! فرنگی محل کے علماء کی کاوشیں اگرچہ مختلف علوم وفنون میں اپنے جوہر دکھاتی رہی ہیں اور اس زمانے کے مزاج ومذاق کے مطابق معقولات ان کی خاص جولان گاہِ فکر رہا ہے؛ لیکن شاید ان کا سب سے بڑا علمی اور تصنیفی ذخیرہ فقہ اور اُصولِ فقہ میں ہے، اس موضوع پر بڑی ہی بلند پایہ کتابیں اس خانوادۂ علمی کا اثاثہ ہیں اور وہ اپنی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اصحابِ علم اور اہل ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنتی رہی ہیں، فقہی تالیفات کے علاوہ فرنگی محل میں بالکل ابتدائی دور سے ہی فتاویٰ نویسی کا سلسلہ رہا ہے، اس حقیر کے رفیقِ درس ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی نے اپنے پی ایچ ڈی کے مطبوعہ مقالہ ''اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات'' میں ان کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ فرنگی محل کا یہ علمی اور تعلیمی مرکز آج بھی زندہ ہے اور حضرت مولانا ابوطیب احمد میاں فرنگی محلی اور ان کے لائق فرزند جناب مولانا خالد رشید ندوی کے ذریعہ اسے ایک نئی زندگی حاصل ہورہی ہے، خدا کرے یہاں کی بہار رفتہ واپس آئے اور یہ چراغ چراغ گہربار ہوجائے، جس کی روشنی دور تک اور دیر تک پہنچتی رہے۔

حضرات ! فرنگی محل کی فقہی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک خاص پہلو جس کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے،

اس کو واضح کرنے کی ضرورت ہے، جس سے صرفِ نظر کرجانا ناانصافی اور زمانہ ناشناسی ہوگی اور وہ ہے فرنگی محل کا مسلکِ اعتدال ـــــ بعض اعتقادی اور عملی مسائل جن میں شاہ اسماعیل شہیدؒ، حلقۂ دیوبند اور حلقۂ بدایوں کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا تھا اور اب بھی پایا جاتا ہے، ان میں فرنگی محل کے علماء وارباب افتاء کے درمیان بھی اختلاف رائے رہا ہے اور دو مختلف نقاطِ نظر پائے گئے ہیں؛ لیکن اس اختلاف نے حداعتدال سے تجاوز نہ کیا اور اس اختلاف کی وجہ سے فریق مخالف کی تکفیر وتفسیق نہیں کی گئی؛ بلکہ اسے راجح اور مرجوح کا اختلاف سمجھا گیا، یہ بھی ایک خوش گوار حقیقت ہے کہ علماء فرنگی محل ہمیشہ تصوف کے قائل اور مشائخ صوفیہ سے مربوط رہے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود حدیثِ نبوی سے بھی ان کا رشتہ استوار رہا؛ اسی لئے ہمیں یہاں ہر دور میں ایسے علماء نظر آتے ہیں، جو ایک طرف تصوف کے ان اشغال کی تائید وتقویت میں قلم اُٹھاتے ہیں، جن کا فی الجملہ احادیث وآثار سے ثبوت ہے اور ان اشغال کا رد بھی کرتے ہیں، جن کے لئے قرونِ اولیٰ میں کوئی نظیر نہیں اور جن کی سرحدیں بدعت؛ بلکہ بعض اوقات شرک سے جاملتی ہے۔

یہی حال فقہی مسائل واحکام کا ہے، خاص کر مولانا عبدالحئ صاحبؒ کے یہاں مسائل فقہیہ میں جو اعتدال ملتا ہے اور شارع کی نصوص اور فقہاء کے اجتہادات میں ـــــ تقلید پر قائم رہنے کے باوجود ـــــ ہم آہنگی پیدا کرنے کی جو کوشش نظر آتی ہے، وہ علماء کے لئے ایک مثال ہے، اگرچہ ہندوستان میں تمام ہی مکاتبِ فکر اپنی نسبت مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی طرف کرتے ہیں؛ لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اس دعویٰ میں کس حد تک صادق القول ہیں اور اگر شاہ ولی اللہ صاحب اس دور میں پیدا ہوتے تو ان کے افکار وخیالات پر ان حضرات کا کیا ردعمل ہوتا؛ لیکن مولانا عبدالحئ صاحب واقعی فکر ولی اللہی کے امین؛ بلکہ اس کے نقیب وترجمان تھے۔

انھوں نے متعدد مواقع پر اپنے حنفی ہونے کا ذکر کیا ہے اور وہ عموماً دوسرے مذاہب کے احترام کے ساتھ حنفیہ کے نقطۂ نظر کی بھرپور وکالت بھی کرتے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ متأخرین احناف کی بعض آراء پر نقد بھی کرتے ہیں، نیز فقہاء کے درمیان پائے جانے والے اختلافِ رائے کو پورے انصاف اور عدل کے ساتھ پیش کرتے ہیں، مثلاً خواتین کی جماعت کو بہت سے فقہاء احناف نے مکروہ قرار دیا ہے؛ لیکن مولانا نے اپنے رسالہ ''تحفۃ النبلاء'' میں تفصیل سے اس موضوع کی احادیث وآثار پیش کی ہیں اور فقہاء نے کراہت کے جو اسباب لکھے ہیں، ان کا تفصیلی تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

..... **وبعد التسليم لا دلالة على كراهة التحريم أصلا ، بل لو دل فإنما يدل على فضيلة صلاة الإنفراد .** (۱)

(۱) تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء: ۹۱۹۔

.....اس بات کو تسلیم کرلیا جائے تب بھی عورتوں کی جماعت کے مکروہ تحریمی ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے؛ بلکہ یہ دلالت کرتی ہے تو صرف اس بات پر کہ عورتوں کا تنہا نماز پڑھنا بہتر ہے۔

مولانا نے اپنی تالیفات میں ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھا ہے کہ اصحاب مذہب کے اقوال اصل ہیں اور مشائخ مذہب کے اقوال کو وہ اہمیت حاصل نہیں، انھوں نے حنفیہ کی مدافعت میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھا ہے، مثلاً فرماتے ہیں :

فإنهم طعنوا فی کثیر من المسائل المدرجة فی فتاوی الحنفیة أنها مخالفة للأحادیث الصحیحة أو أنها لیست متأصلة علی أصل شرعي ، ونحو ذلک ، جعلوا ذلک ذریعة إلی الطعن علی الأئمة الثلا ثة ظناً منهم أنها مسائلهم ومذاهبهم ولیس کذلک ، بل هی تفریعات المشایخ ، استنبطوها من الأصول المنقولة عن الأئمة ، فوقعت مخالفة للأحادیث الصحیحة فلا طعن بها علی الأئمة الثلا ثة ، ولا علی المشایخ أیضا ، فإنهم لم یقرروها مع علمهم بکونها مخالفة للأحادیث . (۱)

ان لوگوں نے بہت سے ایسے مسائل کے متعلق جو حنفیہ کے فتاویٰ میں بعد میں داخل کئے گئے ہیں، اعتراض کیا ہے کہ یہ صحیح احادیث کے خلاف یا یہ کسی شرعی اُصول پر قائم نہیں ہیں وغیرہ — ان لوگوں نے اس کو لے کر امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ پر یہ سمجھتے ہوئے تنقید کی ہے کہ یہ ان کے مسائل اور ان کی آراء ہیں؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ یہ مشائخ کی تفریعات ہیں، انھوں نے ائمہ منقول اُصول کی بنیاد پر ان کو مستنبط کیا ہے؛ چنانچہ وہ احادیث صحیح کے خلاف ہوگئی ہیں، ان کو لے کر ائمہ ثلاثہ پر طعن کرنا درست نہیں ہے؛ بلکہ مشائخ پر بھی لعن کرنا درست نہیں ہے، ان حضرات نے ان کو حدیث کے خلاف جاننے کے باوجود ان آراء کا اظہار نہیں کیا ہے۔

اسی طرح اگر کسی مسئلہ میں احناف کے مختلف اقوال ہوں تو جو قول حدیث سے قریب تر ہوتا ہے، مولانا اسے ترجیح دیتے ہیں، جیسے وضو کے شروع میں بسم اللہ کہنے کا مسئلہ ہے کہ اس میں ایک قول اس کے واجب ہونے کا ہے،

(۱) النافع الکبیر:۲۱۔

جس کی طرف علامہ ابن ہمامؒ کا میلان ہے، مولانا نے ظاہر حدیث سے موافقت کی وجہ سے اس کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے: ''**وأصحها وأحسنها**''(۱) — اسی طرح وضو میں گردن کے مسح کو بعض فقہاء نے سنت قرار دیا اور بعض نے بدعت ومکروہ کہا ہے ومولانا نے اپنے رسالہ تحفۃ الطلبہ فی تحقیق مسح الرقبۃ'' میں اس بات کو ترجیح دیا ہے کہ گردن کا مسح نہ سنت ہے اور نہ بدعت؛ بلکہ مستحب ہے یا ادب کے درجہ میں ہے، اختلافی مسائل میں غالباً مولانا کا سب سے تفصیلی رسالہ ''قراءت فاتحہ خلف الامام'' کے موضوع پر ''امام الکلام مع غیث الغمام'' ہے، جس میں حدیث اور رجال کی بڑی نفیس بحثیں آگئی ہیں، اس رسالہ میں مولانا نے حنفیہ کے دلائل کو بڑی قوت کے ساتھ پیش کیا ہے، لوگوں کی بے اعتدالی کا رونا رویا ہے اور علماء مقلدین سے گلہ کیا ہے کہ وہ ہر جگہ اس قاعدہ پر قائم رہتے ہیں کہ ہمارا مذہب صحیح ہے، گو اس میں خطا کا احتمال بھی ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرا مذہب خطا پر مبنی ہے، گو اس میں صواب کا احتمال بھی پایا جاتا ہے، نیز یہ بات اس وقت بھی کہی جاتی ہے جب اپنے مذہب کے خلاف واضح نصوص موجود ہوں۔

مولانا نے اس رسالہ کے اخیر میں جو رائے قائم کی ہے، وہ یہ ہے کہ مقتدی پر قراءت فرض نہیں ہے؛ البتہ سری نمازوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھ لینا مستحب یا مسنون ہے، اگرچہ یہ مذہب کا قولِ ضعیف ہے؛ لیکن درایت کے اعتبار سے قوی ہے اور جو قول درایت کے مطابق ہو وہ قابل ترجیح ہے: ''**ولا یعدل عن الدرایۃ إذا وافقها روایۃ**'' (ص:۲۶۶) پھر آگے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا قول نقل کر کے ان کے نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہیں کہ جہری نماز میں بھی سکتہ کے وقت سورۂ فاتحہ کو پڑھنے کی گنجائش ہے، (ص:۲۶۸) اسی رسالہ کے اخیر میں نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی قراءت پر گفتگو کی گئی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا چوں کہ بعض صحابہ سے ثابت ہے؛ اس لئے اس کو مکروہ کہنا درست نہیں؛ البتہ ضروری نہیں ہے، (ص:۲۷۳) یہ ضروری نہیں کہ ان مسائل میں مولانا کے نقطۂ نظر سے اتفاق کر لیا جائے؛ لیکن اس سے مسائل فقہیہ میں آپ کا اعتدال معلوم ہوتا ہے، آپ نے عصام ابن یوسف کا ذکر کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ وہ حنفی تھے؛ لیکن نماز میں رکوع سے پہلے رفع یدین کے قائل بھی تھے، پھر لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی حنفی بعض مسائل میں نصوص کی بنیاد پر دوسرے فقہاء کی رائے کو لے لے تو اس کی وجہ سے وہ حنفیت کے دائرہ سے باہر نہیں ہو جاتا۔

غرض کہ آپ کی ذات فقہاء احناف کے نقطۂ نظر پر وسیع نگاہ اور گہرے مطالعہ کے باوجود نصوص سے اعتناء، دوسرے مسالک کا احترام اور تقلید میں اعتدال کی بہترین مثال ہے، افسوس کہ مولانا لکھنویؒ اور نواب صدیق حسن خانؒ کے درمیان بعض اختلافات نے شدت اختیار کر لی اور اس کے نتیجہ میں ''ابراز الغی''، ''تذکرۃ الراشد'' اور ''تنبیہ ارباب الخبرۃ'' جیسی تالیفات آپ کے قلم سے آئیں، جو مولانا کے عمومی مزاج سے ہم آہنگ نہیں تھیں؛

(۱) أحكام القنطرة فی أحكام البسملة:۳۳۔

لیکن نواب صاحب نے تقلید اور مقلدین کے بارے میں جو سخت لب ولہجہ اختیار کیا، یہ اس کا فطری ردعمل تھا؛ لیکن پھر بھی اپنے رسالہ ''ابراز الغی'' کی ابتدا میں نواب صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

وهو العالم الجليل والفاضل النبيل مجمع الكمالات الإنسية منبع الفضائل الحميدة النواب السيد صديق حسن خان بهادر دام اقباله . (۱)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایک طرف ان دونوں معاصر اہل علم کے درمیان تحریری مناظرہ جاری تھا؛ لیکن دوسری طرف صورتِ حال یہ تھی کہ مولانا جب کبھی بھوپال تشریف لے جاتے تو نواب صاحب کے یہاں قیام فرماتے اور نواب صاحب جب لکھنؤ آتے تو مولانا ان کے میزبان ہوتے، نیز مولانا کی وفات پر نواب صاحب نے سخت غم واندوہ کا اظہار کرتے ہوئے سوگ کا اعلان کیا تھا۔

حضرات ! اس حقیر نے خاتم الفقہاء حضرت مولانا عبدالحیؒ فرنگی محلیؒ کا ذکر کرتے ہوئے کسی قدر تفصیل سے اس جہت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ آج کے حالات میں خاص طور پر علماء کو راہِ اعتدال اختیار کرنے کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ یہود ونصاریٰ اور اعداء اسلام عام مسلمانوں کو جغرافیائی، نسبی اور لسانی بنیادوں پر اور مذہب سے مربوط مسلمانوں کو مسلکی اساس پر تقسیم کرنے کے درپے ہیں اور اس طرح وہ اُمت کے ٹکڑے کرنے اور ان کی صفوں کو بکھیرنے میں کامیاب ہوتے جارہے ہیں؛ اس لئے ضرورت ہے کہ علماء نقش دیوار کو پڑھیں، دشمنوں کی چال کا ادراک کریں، حکمت سے کام لیں، اپنے اختلافات کو حدود میں رکھیں اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں کہ دین وشریعت اصل ہے اور مسلک ومشرب ان کے تابع، اگر مسلکی تعصّبات اُمت کے دینی وجود کو خطرہ میں ڈال دیں تو یقیناً علم کے تقاضوں سے بے خبری اور علماء کی اپنے فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی ہے۔

حضرات ! اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ نے رکھی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ، حضرت مولانا ابوالسعود احمد باقویؒ اور حضرت مولانا عبدالرحیم لاجپوریؒ جیسے اکابر علم کی سرپرستی میں اس کاروانِ فکر ونظر نے اپنا سفر شروع کیا، آج بھی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی اور حضرت مولانا سید نظام صاحب جیسے اکابر ملت کی رہنمائی اسے حاصل ہے اور اس کے انتظام وانصرام میں ہندوستان کے ممتاز علماء فقہ کا حصہ ہے، جو اس کی مجلس انتظامی کے ارکان ہیں، بانی اکیڈمی کے بعد ممتاز صاحب افتاء اور معروف مصنف حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کو باتفاق رائے اس کا صدر منتخب کیا گیا تھا، ان کی قیادت میں اس

(۱) ابراز الغی :۳۔

قافلہ نے تیز رفتاری کے ساتھ اپنا علمی سفر طے کیا، ابھی دو ماہ پہلے ان کی وفات ہوگئی ہے، دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور اکیڈمی کو ان کا بدل عطا کرے۔

اکیڈمی جہاں اپنے سالانہ فقہی سیمیناروں کے ذریعہ علماء کے اجتماعی غور وفکر کے واسطہ سے نئے مسائل کا حل پیش کرتی ہے، وہیں نوجوان فضلاء کی تربیت کے لئے ورکشاپ بھی منعقد کرتی ہے اور مختلف فکری اور فقہی موضوعات پر سیمینار وسمپوزیم بھی رکھتی ہے، یہ پروگرام اسی کا ایک حصہ ہے، اس طرح ہمیں اپنے بزرگوں کی خدمات کو یاد کرنے اور ان کو نمونہ بنا کر عمل کرنے کا موقع ملے گا کہ جو قومیں اپنے ماضی کو یاد نہیں رکھتیں، ان کے لئے مستقبل کا سفر طے کرنا دشوار ہوجاتا ہے اور وہ احساس کمتری اور کم حوصلگی میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔

ہم آخر میں حضرت مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی اور ان کے صاحب زادگان مولانا طارق رشید ندوی اور مولانا خالد رشید ندوی، نیز ان کے رفقاء کار، شہر کے حاضرین اور مقالہ نگاروں کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان ہی کی عنایت وتوجہ سے فکر ونظر کی یہ محفل سجائی گئی ہے اور دُعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے، فرنگی محل کی علمی خدمات میں تسلسل قائم رہے اور اس جگہ کو علمی وفکری خدمات کا بہترین مرکز بنائے۔

وباللہ التوفیق، وھو المستعان.

○ ○ ○